جاتے ہیں۔ گورنمنٹ کے بعض اقدامات کے خلاف سخت سے سخت مظاہرے ہوتے ہیں لیکن کبھی قتل و غارت گری اور آتش زنی کا ہنگامہ بپا نہیں ہوتا، اس کے برعکس اگر مسلمان کبھی کوئی پر امن مظاہرہ بھی کرتے ہیں تو ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا جاتا ہے جیسا کہ گزشتہ سال فیروز آباد اور بنارس میں ہوا۔ پھر یونیورسٹیوں میں بھوک ہڑتال، احتجاجی مظاہرے، گھیراؤ، بلکہ توڑ پھوڑ، بسوں کو آگ لگا دینا وغیرہ اب روزمرہ کے واقعات بن گئے ہیں، لیکن حکومت نہ ان یونیورسٹیوں کی اکزکٹو اور کورٹ کو معطل کرتی ہے، نہ یونیورسٹیوں کے قواعد و ضوابط (Statutes) کو بدلتی ہے، نہ کوئی آرڈیننس نافذ کرتی ہے اور نہ انتظامیہ میں کوئی ہنگامی صورت پیدا کرتی ہے۔ لیکن مسلم یونیورسٹی میں کوئی اسی قسم کا ناگوار واقعہ رونما ہوجاتا ہے تو حکومت کی پوری مشنری حرکت میں آجاتی ہے اور یونیورسٹی کی ہیئت انتظامیہ کو یکسر تبدیل کر دیا جاتا ہے، غرض کہ مسلمانوں کی نسبت جو ذہن اور مزاج اکثریت کا ہے اُس کا عکس عمال و کارکنان حکومت کے رویہ میں بھی نظر آتا ہے، اور یہ ایک ایسی صاف اور واضح حقیقت ہے کہ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا!!

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا ترمیمی ایکٹ ۱۹۷۲ء جب پارلیمنٹ نے منظور کیا تھا تو اس سلسلہ میں وزیر تعلیم نے پارلیمنٹ کے اندر اور اس کے باہر بھی متعدد مرتبہ کہا کہ انھیں خطوط پر دوسری یونیورسٹیوں کے لئے بھی ترمیمی ایکٹ بنے گا لیکن ہوا یہ کہ چونکہ دہلی اور بنارس یونیورسٹیوں کے طلباء اور اساتذہ نے اس ایکٹ کے بنیادی خد و خال کے خلاف اپنی شدید بیزاری اور ناپسندیدگی کا اظہار پہلے سے کر دیا اس لئے وزیر تعلیم کو اب تک اس بل کو پارلیمنٹ میں پیش کرنے کی ہمت نہیں ہوئی اور ہماری پیش گوئی ہے کہ آئندہ بھی یہ بل دوسری یونیورسٹیوں کے لئے اپنی موجودہ شکل و صورت کے ساتھ پارلیمنٹ میں پیش نہ کیا جاسکے گا۔ لیکن مسلم یونیورسٹی کے ساتھ معاملہ کی نوعیت یہ ہے کہ یہ بل بڑی خاموشی کے ساتھ اچانک پارلیمنٹ کے سامنے آیا اور منظور

بھی ہو گیا۔ اس کے نتیجہ میں یونیورسٹی کا نظم و نسق درہم برہم ہو کر رہ گیا، امن و سکون جاتا، تعلیم کا ستیاناس ہو گیا، یونیورسٹی بند کر دی گئی، پولس کے حفاظتی دستوں نے کیمپس پر قبضہ جما لیا۔ ہوسٹل خالی ہو گئے اور یونیورسٹی میں خاک اڑنے لگی، لیکن ان تمام باتوں کے باوجود حکومت اطمینان سے بیٹھی ہے کہ گویا کچھ ہوا ہی نہیں !! نوجوانوں کی تعلیمی زندگی کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہوتا ہے۔ اس طرح ان کے ایک پورے برس کا برباد ہو جانا کوئی معمولی حادثہ نہیں ہے، اور یہ عظیم نقصان صرف طالب علموں کا اپنا نہیں، بلکہ پورے ملک اور پوری قوم کا ہے۔

اس گذارش کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ طلبار بے قصور ہیں اور ان سے کوئی خطا سرزد ہی نہیں ہوئی ہے، لیکن طلبار بہرحال اپنی اولاد ہیں، ملک اور قوم کے مستقبل کا دارومدار ان کے بننے اور بگڑنے پر ہے، پھر چند در چند اندرونی اور بیرونی اسباب و عوامل کے باعث آجکل ایشیا اور افریقہ کے ملکوں میں نوجوانی اور بڑھاپے میں جو شدید کشمکش برپا ہے اور جس کے مظاہرے خود ہمارے ملک میں بھی آئے دن ہوتے رہتے ہیں، اس کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے، لڑکوں کا اپنے جذبات کے اظہار میں آئینی وضوابط کے حدود سے متجاوز ہو جانا نوما بعید نہیں، لیکن اول تو چند طلبار کی وجہ سے ہزاروں نوجوانوں کا ایک تعلیمی سال برباد کر دینا کونسا انصاف ہے ! پھر جو طلبار خطا کار ہیں بھی ان کے ساتھ معاملہ عام مجرمین کا سا کہیں پر بھی نہیں کیا جاتا۔ ہم ذاتی طور پر ایسے کتنے ہی نوجوانوں سے واقف ہیں جو طالب علمی کے زمانہ میں انتہائی شریر اور یونیورسٹی کے لئے دردسر تھے، لیکن آج وہ گورنمنٹ کے مختلف محکموں کے نہایت لائق اور قابل افسر سمجھے جاتے ہیں۔ اس بنا پر یونیورسٹی کا فرض ہے کہ وہ یونیورسٹی کے آئین وضوابط کی رو سے مجرم طلبار کے معاملات پر بھی ہمدردی اور شفقت کے جذبہ کے ساتھ غور کرے نہ کہ کسی انتقامی جذبہ کے ساتھ، اور جہاں تک ممکن ہو کسی نوجوان کے کیریر (career) کو تباہ نہ ہونے دیا جائے، کیونکہ ایک نوجوان کی تعلیمی زندگی کا تباہ ہو جانا بسا اوقات ایک پورے گھرانہ کی تباہی کا باعث ہو سکتا ہے۔